جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# آل عمران

(۱۱)

(گزشتہ سے پیوستہ)

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ: يَا مَرْيَمُ، إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ، وَجِيْهاً فِي الدُّنْيَا، وَالْاٰخِرَةِ، وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ

اِنھیں یاد دلاؤ، جب فرشتوں نے کہا: اے مریم، اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک فرمان کی بشارت دیتا ہے۔[۸۸] اس کا نام مسیح[۸۹] عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔[۹۰] وہ دنیا اور آخرت، دونوں میں صاحب وجاہت[۹۱] اور مقربین میں سے

[۸۸] سیدہ مریم کے لیے یہ بغیر کسی مرد کی ملاقات کے بچے کی پیدایش کی بشارت ہے۔ لیکن صرف لفظ فرمان کے ساتھ اس بشارت کی ابتدا اس لیے کی گئی ہے کہ معاملے کی نوعیت بھی ان پر واضح رہے، اور ایک کنواری اور شرم وحیا کی پیکر خاتون اس بات کو سننے کے لیے بھی تیار ہو جائے جو اسے کہنا پیش نظر ہے۔

[۸۹] یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ بنی اسرائیل کے یہاں روایت تھی کہ نبیوں اور بادشاہوں کو ان کے منصب پر مامور کرنے کا اعلان بالعموم ان کے سر پر ایک قسم کا مقدس تیل مل کر کیا جاتا تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ اعلان ان کی پیدایش کے فوراً بعد گہوارے ہی میں گویا براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ چنانچہ مسیح کا یہ لقب انھی کے لیے خاص ہو گیا۔ انجیل میں اسی بنا پر انھیں ''خداوند کا مسیح'' کہا گیا ہے۔

[۹۰] یعنی وہ کسی باپ کا بیٹا نہیں ہوگا۔ استاذ امام کے الفاظ میں سیدنا مسیح علیہ السلام کو ابن مریم کہہ کر یہ قرآن نے ان

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لوگوں کے لیے گفتگو کی ہر گنجایش ختم کر دی ہے جو کمزور تاویلات کے ذریعے سے قرآن کے نہایت واضح نصوص میں تحریف کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''...اگر حضرت عیسیٰ کسی باپ کے بیٹے تھے تو آخر قرآن کو مسیح بن مریم کہنے کے بجائے ان کے باپ کی طرف ان کی نسبت کرنے میں کیا رکاوٹ تھی؟ قرآن بھی مسیح بن یوسف کہہ سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کہا۔ آخر کیوں نہیں کہا؟''

(تدبر قرآن ۲/ ۹۳)

[۹۱] یہ وہی وجاہت ہے جس کا ذکر اس سے پہلے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے بیان میں ہو چکا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

''لوقا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ سال کی عمر میں حضرت مسیح نے پہلی بار ہیکل میں تعلیم دی، لیکن اس کم سنی کے باوجود ان کی تعلیم کی حکمت و معرفت، کلام کی بلاغت و جزالت اور لب و لہجہ کی عظمت و جلالت کا عالم یہ تھا کہ فقیہ اور فریسی، سردار کاہن اور ہیکل کا تمام عملہ دم بخود رہ گیا۔ وہ حیرانی کے عالم میں ایک ایک سے پوچھتے پھرتے تھے کہ یہ کون ہے جو اس شکوہ سے بات کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اس کو اختیار ملا ہوا ہے۔ یہودیہ کی بستیوں میں جب انھوں نے تبلیغ شروع کی تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل مچ گئی۔ خلقت ان پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ فقیہ اور فریسی سب پر ایک سراسیمگی کا عالم تھا، وہ ان کو زچ کرنے اور عوام میں ان کی مقبولیت کم کرنے کے لیے ان سے طرح طرح کے سوالات کرتے، لیکن سیدنا مسیح دو دو لفظوں میں ان کو ایسے دنداں شکن جواب دیتے تھے کہ پھر ان کو زبان کھولنے کی جرات نہ ہوتی۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کی وجاہت کا یہ غلغلہ ہوا کہ عوام ان کو اسرائیل کا بادشاہ کہنے اور ان کی بادشاہی کے گیت گانے لگے، یہاں تک کہ رومی حکام ـــــ ہیرودیس اور پیلاطوس ـــــ کے سامنے بھی یہ مسئلہ ایک نہایت اہم مسئلہ کی حیثیت سے آ گیا، لیکن وہ بھی اپنی تمام قوت و جبروت کے باوجود سیدنا مسیح کی عظمت و صداقت اور ان کی بے پناہ مقبولیت سے مرعوب ہو گئے۔

اس وجاہت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ باوجودیکہ سیدنا مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے اور بن باپ کے پیدا ہونے والے کسی بچے کے لیے عام حالات میں کسی عزت و وجاہت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن سیدنا مسیح چونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمۂ 'کن' سے پیدا ہوئے تھے اس وجہ سے اس کا معجزانہ اثر یہ ظاہر ہوا کہ روز اول سے ان کو خلق کی نگاہوں میں وہ وجاہت حاصل رہی جو اس عہد میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ زندگی بھر اپنے جانی دشمنوں میں گھرے رہے، لیکن اس پہلو سے کسی کو ان پر طعن کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ یہود کے ایک گروہ نے اگر جسارت بھی کی تو بعد کے زمانوں میں کی، ان کے عہد مبارک میں کسی کو بھی اس

www.javedahmadghamidi.com / www.al-mawrid.org

وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ، قَالَ: كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ، إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ: كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، وَالتَّوْرٰاةَ وَالْإِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا إِلٰى بَنِىْٓ إِسْرَآءِيْلَ، أَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ:

---

کیا جائے گا۔ وہ بولی: پروردگار، میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا: اِسی طرح اللہ جو چاہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جا، پھر وہ ہو جاتا ہے۔[94] (چنانچہ اِسی طرح ہو گا اور) اللہ اُسے قانون اور حکمت سکھائے گا، یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دے گا[95] اور اِس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔[96] (چنانچہ یہی ہوا اور اُس نے بنی اسرائیل کو

---

قسم کی جرات نہ ہو سکی۔ ان کی اس وجاہت کی بشارت ان کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ہی حضرت مریم کو اس لیے دی گئی کہ ان کو اس پہلو سے کوئی خلجان نہ ہو کہ بن باپ کے پیدا ہونے کے سبب سے بچے کی یا خود ان کی وجاہت پر کوئی اثر پڑے گا۔

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے ان تمام خرافات کی تردید ہو رہی ہے جو انجیلوں میں مذکور ہیں کہ یہودیوں نے سیدنا مسیح کے نعوذ باللہ طمانچے لگائے، ان کا مذاق اڑایا، ان کو گالیاں دیں، ان کے منہ پر تھوکا۔ ان خرافات کا اکثر حصہ، جیسا کہ ہم آگے واضح کریں گے، غلط ہے۔ اللہ کے رسولوں کے دشمن ان کی توہین و تحقیر کی جسارت تو کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ایک حد تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ڈھیل بھی مل جاتی ہے، لیکن یہ ڈھیل بس ایک خاص حد تک ہی ہوتی ہے، جب کوئی قوم اس حد سے آگے بڑھنے کی جسارت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے اور اس ناہنجار قوم کا بیڑا غرق کر دیا جاتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۹۲)

[۹۲] مسیح علیہ السلام کے معاملے میں یہ غیر معمولی واقعہ اس لیے ہوا کہ سیدہ مریم پر کسی تہمت کی گنجایش نہ رہے اور انھیں یہ بشارت اسی موقع پر اس لیے دی گئی کہ وہ مطمئن ہو جائیں کہ لوگوں کے ان کے خلاف زبان کھولنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ایک ایسی زبان ان کے حق میں کھول دے گا جو سب کی زبانیں بند کر دے گی۔

[۹۳] یعنی اس کے بعد وہ بڑی عمر کو پہنچے گا اور نبوت کا یہی کلام اپنی قوم سے کرے گا۔

[۹۴] یہ اس فرمان کی وضاحت ہے جس سے سیدنا مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

[۹۵] اس سے تورات و انجیل کا باہمی تعلق بھی قرآن نے بتا دیا ہے اور یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ انجیل ایمان و اخلاق کے انھی حقائق کو بے نقاب کرنے کے لیے نازل کی گئی تھی جنھیں بنی اسرائیل فراموش کر بیٹھے تھے۔ اس سے مقصود

أَنِّيٓ أَخۡلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـَٔةِ الطَّيۡرِ، فَأَنۡفُخُ فِيۡهِ، فَيَكُوۡنُ طَيۡرًا بِإِذۡنِ اللّٰهِ،
وَأُبۡرِئُ الۡأَكۡمَهَ وَالۡأَبۡرَصَ، وَأُحۡيِ الۡمَوۡتٰى بِإِذۡنِ اللّٰهِ، وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأۡكُلُوۡنَ،
وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ فِيۡ بُيُوۡتِكُمۡ. إِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ، إِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۹﴾

---

دعوت دی کہ[۹۷]) میں تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں[۹۸]۔ وہ یہ کہ میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی ایک صورت بناتا ہوں، پھر میں اس میں پھونکتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ فی الواقع پرندہ بن جاتی ہے؛ اور اندھے اور کوڑھی کو میں اللہ کے حکم سے اچھا کرتا ہوں؛ اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں؛ اور میں تمھیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ اس میں تمھارے لیے یقیناً ایک

---

تورات کے احکام میں کوئی تغیر و تبدل کرنا نہیں تھا، بلکہ انھی کو پورا کرنا تھا تاکہ ان کی روح اور ان کی حکمت ہر لحاظ سے نمایاں ہو اور خدا کی شریعت لوگوں کے لیے زندگی سے خالی محض ایک بوجھ بن کر نہ رہ جائے۔

[۹۶] اصل میں 'رسولا الی بنی اسرائیل' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان سے پہلے ایک فعل محذوف ہے۔ یعنی 'یبعثہ رسولا'۔ سیدنا مسیح علیہ السلام حضرت یحییٰ کی طرح صرف ایک نبی نہیں تھے، بلکہ اس کے ساتھ رسالت کے منصب پر بھی فائز تھے۔ آیت سے واضح ہے کہ ان کی رسالت بنی اسرائیل کے لیے خاص تھی اور اس کے ماننے یا جھٹلانے کے نتائج بھی دنیا میں انھی کو بھگتنا تھے۔ چنانچہ ان پر ایمان لانے کے بجائے بنی اسرائیل جب ان کے قتل کے درپے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے متعلق اپنے قانون کے مطابق ان کے اس جرم کی یہ سزا ان پر نافذ کر دی کہ اب وہ قیامت تک کے لیے مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کے محکوم بن کر دنیا میں رہیں گے۔

[۹۷] سیدنا مسیح علیہ السلام کی سرگزشت کا ایک بڑا حصہ اپنے اسلوب کے مطابق حذف کر کے یہ قرآن نے گویا انھیں ایک داعی کی حیثیت سے بنی اسرائیل کے سامنے کھڑا کر دیا ہے کہ انھوں نے اس طریقے سے اپنی دعوت انھیں پیش کی اور اس کے لیے یہ معجزات انھیں دکھائے۔

[۹۸] اصل میں 'جئتکم بآیۃ' کے الفاظ آئے ہیں۔ لفظ 'آیۃ' کی تنکیر ان میں وحدت کے لیے نہیں، بلکہ تعمیم کے لیے ہے۔ یعنی میں اپنے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ اس سے قطع نظر کہ وہ ایک ہی صورت میں سامنے آئے یا ایک سے زیادہ صورتوں میں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰاةِ، وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ، وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ، هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۰﴾

---

بڑی نشانی ہے، اگر تم ماننے والے ہو۔ اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں[99] جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے، اور اس لیے آیا ہوں کہ تمھارے لیے بعض اُن چیزوں کو حلال ٹھیراؤں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں[100]، اور (دیکھو) میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ یقیناً اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی[101]، لہٰذا تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ ۴۵۔۵۱

---

[۹۹] اصل الفاظ ہیں: 'مصدقا لما بین یدی من التوراۃ'۔ ان میں 'مصدقا' حال ہے جو 'انی قد جئتکم بآیۃ' کے جملے پر آیا ہے اور محض مشابہت کی وجہ سے پچھلے جملے پر عطف ہو گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ میں تورات کی تردید کرنے نہیں، بلکہ اسی کو قائم کرنے اور اس کی ان پیشین گوئیوں کو سچا کر دینے کے لیے آیا ہوں جو آنے والے نبیوں کے بارے میں تم اس میں پڑھتے رہے ہو۔

[۱۰۰] یعنی تمھارے علما کے غلو اور اس کے نتیجے میں ان کی طرف سے صادر ہونے والے من گھڑت فتووں کی وجہ سے حرام کر دی گئی ہیں۔

[۱۰۱] انجیل میں اللہ تعالیٰ کے لیے میرا باپ اور تمھارا باپ کی جو تعبیر جگہ جگہ آئی ہے، یہ قرآن نے اس کی تصحیح کر دی ہے کہ سیدنا مسیح نے جو بات فرمائی تھی، وہ درحقیقت یہ تھی، لیکن عبرانی زبان میں اب اور ابن کے الفاظ چونکہ باپ اور بیٹے اور رب اور بندے کے معنی میں مشترک تھے، اس لیے نصاریٰ نے سیدنا مسیح کی الوہیت کا عقیدہ ایجاد کیا تو اس اشتراک سے فائدہ اٹھا کر انھیں یہ صورت دے دی۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.com